تعلیم کا اصل مقصد یہ بھی ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی ثقافت کی پاسداری کرے۔ اگر تعلیمی عمل کے ذریعے اسلامی تعلیمات اور ثقافتی ورثے کی حفاظت نہ کی جائے تو آہستہ آہستہ اسلامی تعلیمات اور ثقافتی ورثے کا وجود مٹ جائے گا اور تعلیم کا اصل مقصد فیل ہو جائے گا۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

۵۔ ذوقِ انقلاب:

علامہ اقبال کا خیال تھا کہ تعلیم کا مقصد امت کے جوانوں میں ذوق انقلاب پیدا کرنا ہے۔ اس حوالے سے یہ شعر مشہور ہے:

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

۶۔ اتحاد بین المسلمین:

تعلیم کا بنیادی مقصد یہ بھی ہونا چاہیے کہ وہ امت مسلمہ کے مختلف مسالک میں رابطہ و تعلق اور اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کا ذریعہ بنے اور ایک ایسا اسلامی معاشرہ تشکیل دے جس کو دیکھ کر غیر مسلم بھی متاثر ہوں۔

۷۔ جذبہ حب الوطنی:

وطن سے محبت ایک فطری امر ہے۔ لیکن اگر ملک کا نظام تعلیم دوسرے ممالک کے نظام تعلیم کی نقالی کر رہا ہو تو وہاں کے لوگ محب وطن نہیں ہو سکتے، یہ وہ مصیبت ہے جس میں آج قوم مبتلا ہے۔ اس لئے تعلیم کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ وہ فرد میں وطن سے محبت کے جذبات پیدا کر کے وطن کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار کرے۔

زندگی کی گاڑی

اگر آپ زندگی کی گاڑی کو کامیابی سے چلانا چاہتے ہیں تو آپ کو دل کے ایکسلیٹر پر قابو پانا ہوگا، دماغ کے بریک مضبوط رکھنے ہوں گے اور غصے کی سپیڈ کو کنٹرول میں رکھنا ہوگا۔ اپنے ظرف کے ٹائر اونچی اور اعلیٰ کوالٹی کے لگانے ہوں گے تاکہ آپ کے خیالات کی ٹیوب پنکچر ہونے سے محفوظ رہے۔ آنکھوں کی ہیڈ لائٹس میں خلوص کی روشنی ہونا چاہیے، اپنی حیثیت کی ڈگی کو مضبوط رکھنا ہوگا اور ضمیر کے سپیڈ و میٹر میں شرافت کی سوئی لگانا ہوگی۔ ان تمام شرائط کو پوری کرنے کے بعد کردار کی سٹیرنگ سنبھالنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے پاس خوش اخلاقی کا لائسنس ہو۔ تب ہی آپ دنیا کے روڈ پر زندگی کی گاڑی آسانی سے چلا سکتے ہیں۔

(محمد یاسین تھلوی M.A, L.L.B)

شوق تعلیم و تعلم

محمد علی کوروی۔ تھکس

قال تعالیٰ: ﴿فوجدا عبداً من عبادنا اٰتیناہ رحمة من عندنا وعلمناہ من لدنا علماً ۞﴾

(الکہف: ٦٥) ''پس دونوں (حضرت موسیٰ ؑ اور یوشع ؑ) نے ہمارے ایک بندے (خضر ؑ) کو پایا، جنہیں ہم نے رحمت عطا فرما رکھی تھی اور انہیں اپنی طرف سے خاص علم سکھا رکھا تھا۔''

حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ ہمیں ابی بن کعب ؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ ''ایک دن حضرت موسیٰ ؑ بنی اسرائیل کو خطبہ دے رہے تھے، آپ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اے اللہ کے نبی ؑ! سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ ؑ نے جواب دیا: ''میں ہوں۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے وحی بھیجی کہ مجمع البحرین (دو سمندروں کے سنگم) پر میرا ایک بندہ ہے جو تجھ سے بھی زیادہ عالم ہے، موسیٰ ؑ نے حصول علم کے شوق سے اس عالم تک رسائی کا ذریعہ دریافت کیا، اے اللہ! میں اس عالم تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ تو اپنے توشہ دان میں ایک مچھلی رکھ لو (اور رخت سفر باندھ لو)، جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں وہ مل جائیں گے۔'' (ابن کثیر)

اس جگہ کی تعیین میں مفسرین کے مابین اختلاف ہے۔ بعض جغرافیہ دان اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ بحیرہ فارس مشرقی اور بحیرہ روم مغربی کا سنگم ہے، یہ جگہ طنجہ کے مغربی شہروں کے آخر میں ہے۔ (واللہ أعلم بالصواب)

حضرت موسیٰ ؑ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ مجھے قرنوں (مدتوں) تک چلنا پڑے تو کوئی حرج نہیں، میں وہاں تک پہنچے بغیر دم نہیں لوں گا۔ قیس کی لغت میں حقب برس کو کہتے ہیں، عبداللہ بن عمرو ؓ کے نزدیک حقب سے مراد 80 برس ہے، مجاہدؒ کے نزدیک 70 سال اور عبداللہ ابن عباس ؓ کے نزدیک زمانہ مراد ہے۔

الغرض علم کے شیدائی اولوالعزم پیغمبر کلیم اللہ موسیٰ ؑ نے تہیہ کر لیا کہ ستر، اسی برس یا مدتِ مدید تک بھی سفر کرنا پڑا تب بھی اس عالم سے علم حاصل کر کے ہی دم لوں گا۔

جب حضرت موسیٰ ؑ کو خضر ؑ سے ملاقات نصیب ہوئی تو وہ کپڑے میں لپٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ موسیٰ ؑ نے سلام کیا تو اس نے تعجب سے کہا کہ اس سرزمین پر یہ ''سلام'' کا لفظ کہاں سے آیا؟ موسیٰ ؑ نے عرض کیا کہ میں اللہ کا نبی موسیٰ ہوں۔ خضر ؑ نے پوچھا: بنی اسرائیل کا موسیٰ (ؑ)؟ جواب دیا: ''ہاں!'' انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آمد کا مقصد دریافت کیا تو موسیٰ ؑ نے کہا: ''اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ علوم سکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائے ہیں۔ تو خضر ؑ نے کہا

''آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے، کیونکہ جو علم اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے اس سے آپ بے خبر ہیں اور جو علم آپ کے پاس ہے وہ مجھے معلوم نہیں۔'' موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ''إن شاء اللہ میں ضرور بضرور صبر کروں گا اور وعدہ کیا کہ آپ کے کسی فرمان کی نافرمانی نہیں کروں گا۔'' خضر علیہ السلام نے کہا: ''پس ٹھیک ہے، آپ مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کریں جب تک میں خود اس کے بارے میں تجھے خبر نہ دوں۔'' (دیکھیے تفسیر ابن کثیر)

تعلیم وتعلم کے آداب:

خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام (استاد اور شاگرد) کے مکالمے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شاگرد کو ہمیشہ استاد کا تابعدار رہنا چاہیے اور کبھی نافرمانی نہیں کرنا چاہیے۔ خصوصاً دورانِ تدریس سبق خاموشی اور انہماک سے سننا چاہیے۔

نیز طالب علم کو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ دورانِ درس کسی قسم کا سوال نہ کرے، تاکہ تدریس کا ربط نہ ٹوٹے۔ یہ عین ممکن ہے کہ آپ کے ذہن میں اٹھنے والے سوال کا جواب دورانِ تدریس ہی مل جائے، بلکہ سوال اس وقت کرے جب استاد تدریس ختم کر چکا ہو (یا استاد خود طلباء سے کہیں کہ جس کسی کے ذہن میں کوئی اشکال ہو تو سوال کرے)۔ یہاں خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ''جب تک میں خود کسی چیز کے بارے نہ بتلاؤں آپ کو اعتراض نہیں کرنا ہے۔''

جب استاد اور شاگرد کے درمیان درج بالا معاہدہ طے ہوا اور آدابِ تعلّم متعین ہوئے تو دونوں ساتھ (مطالعاتی دورے پر) روانہ ہوئے۔ کشتی پر سواری کی نوبت آئی تو ملاحوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان سے کوئی اجرت نہیں لی۔ کچھ دیر چلنے کے بعد خضر علیہ السلام کلہاڑی لے کر کشتی کے تختے توڑنے لگے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''آپ تختے توڑ کر سب کشتی والوں کو غرق کر دینا چاہتے ہیں! یہ تو آپ نے بڑا ناگوار کام کیا؟'' خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے! موسیٰ علیہ السلام نے استاد سے اس بھول چوک پر معافی مانگ لی۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ''یہ پہلی غلطی بھول کر سرزد ہوئی تھی۔''

سفر کے دوران کشتی کے کنارے ایک چڑیا آ بیٹھی اور اس نے سمندر میں چونچ ڈال کر پانی پی لیا۔ اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: میرا اور آپ کا علم اللہ کے علم کامل کے مقابلے میں اتنا کم ہے جتنا پانی اس چڑیا نے سمندر سے کم کیا ہے۔

ساحل سمندر پر چلتے چلتے خضر علیہ السلام کی نگاہ چند کھیلتے ہوئے بچوں پر پڑی، آپؑ نے ان میں سے ایک بچے کا سر پکڑ کر مروڑ دیا، اسی وقت اس کا دم نکل گیا۔ موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے اور فرمانے لگے: ''آپ نے ایک پیارے بچے کو ناحق مار ڈالا!؟ یہ تو بہت بڑا منکر اقدام کیا!!'' خضر علیہ السلام نے ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا: دیکھو میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ٹھیک ہے، اگر میری طرف سے دوبارہ اعتراض ہوا تو آپ مجھے فارغ کر دیجیے، یقیناً اس بار مجھ سے

معاہدے کی خلاف ورزی صادر ہوئی ہے۔

چلتے چلتے دونوں ایک بستی میں پہنچے، خضر علیہ السلام نے بستی والوں سے مہمانی کی درخواست کی، انہوں نے انکار کیا۔ آگے اس نے ایک بوسیدہ دیوار دیکھی تو اسے آن واحد میں ٹھیک کر دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''بستی والوں نے مہمانی سے انکار کر دیا تو مناسب تھا کہ آپ ان سے اس کام کی اجرت ہی لے لیتے!!'' خضر علیہ السلام نے کہا: یہ (اعتراض) میری اور آپ کی جدائی کا سبب ہے۔ اب میں آپ کو ان چیزوں کے بارے میں بتلاؤں گا (مثبت پہلوؤں کی نشاندہی کروں گا)، جن کے (منفی پہلو کو دیکھ کر) آپ صبر نہ کر سکے!'' یہ تمام انجام کے لحاظ سے بالکل بہتر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شوقِ تعلم کا اظہار کرتے ہوئے) فرمایا: ''کاش! موسیٰ علیہ السلام مزید صبر سے کام لیتے تو بہت سی (کارآمد اور مفید) باتیں ہمیں معلوم ہو جاتیں۔'' (تفسیر ابن کثیر ۲ ۲۸۱)

نظم ونسق اور طلبہ کی تأدیب کا طریق کار:

خضر علیہ السلام نے تدریس کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بار بار ٹوکنے کے باوجود بھی باز نہ آنے پر ان کو اپنی صحبت سے فارغ کر دیا۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی بھی مدرسے کے نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ کو غفلت برتنے پر کئی بار تنبیہ کی جائے، پھر تنبیہ اور نوٹس کا سلسلہ لامتناہی ہرگز نہیں ہونا چاہیے بلکہ دو تین دفعہ وارننگ دینے کے بعد مدرسہ سے بالکل فارغ کیا جانا چاہئے۔☆

لہٰذا خصوصاً وہ حضرات جن کے ہاتھوں میں کسی بھی تعلیمی ادارے کا نظم ونسق ہو، بلا امتیازِ رنگ ونسل وبلا لحاظِ قرابت ونیاز مندی اس قرآنی اسلوب کے تحت داخل خارج کا مستحکم نظام قائم کر کے مدارس کے نظام کو بہتر کریں تاکہ اکا دکا گندے انڈے مدارس کے نظام کو تہ وبالا کر کے تعلیمی معیار کو خراب نہ کر سکیں۔ اسی طرح نونہالوں کا مستقبل روشن ہوگا اور ان کے والدین کی امیدیں بر آئیں گی۔ نظم ونسق کی پابندی کرنے والے طلباء ہی مستقبل میں دین اور وطن کے بہترین خادم بن سکیں گے۔

خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تین مواقع پر امتحان لیا، لیکن موسیٰ علیہ السلام نے عجلت سے کام لیا اور وہ صبر نہ کر سکے، جب دونوں کے درمیان جدائی کا وقت آیا تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو ان واقعات کی حقیقت سے آگاہ کیا اور کہا: ''وہ کشتی جسے میں نے

☆ یہاں استادِ محترم نے جس ''طالب علم'' کو فارغ کر دیا ہے، وہ کوئی ''عام سا لڑکا'' نہیں تھا، یہ جناب کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام تھے۔ اس حقیقت سے نہ صرف مضمون نگار کا مدعا ثابت ہوتا ہے، بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تعلیمی ادارے کے نظم ونسق کو توڑنے کی اجازت کسی کو بھی نہیں دی جاسکتی'' کسے باشد''۔ الغرض بہت سے طلباء کو نظم ونسق کا پابند رکھنے کی خاطر کسی لائق ترین طالب علم کا داخلہ بھی ختم کرنے سے گریز نہیں کیا جانا چاہیے۔ (عبدالوہاب خان)

خراب کیا بعض غریبوں کا تھا، اگر وہ صحیح سالم ہوتی تو آگے ایک ظالم بادشاہ اسے چھین لیتا، یوں ان کا روزگار ہی ختم ہو جاتا۔'' (اب اسے عیب دار پا کر چھوڑ دے گا۔) امام ابن جریرؒ کے بیان کے مطابق اس بادشاہ کا نام حدو بن بدو تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ۲۸۸/)

﴿وأما الغلم فكان أبواه مؤمنين فخشينآ أن يرهقهما طغيانا وكفرا فأردنآ أن يبدلهما ربهما خيرا منه زكوة وأقرب رحما ۞﴾ [الكهف: ۸۱] ''اور وہ بچہ جسے میں نے قتل کیا، اس کے ماں باپ ایمان دار تھے اور ہمیں یہ خوف تھا کہ کہیں یہ انہیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز و پریشان نہ کر دیں (شاید یہ بھی ممکن تھا کہ اس بچے کی محبت میں آ کر اس کے ماں باپ خود بھی کفر کی راہ اختیار کر لیتے۔) لہٰذا ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں اس سے بہتر پاکیزہ اور اس سے بڑھ کر پیار و محبت والی اولاد عطا فرمائے۔'' ☆ خضر علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے بچے کا نام حیثور تھا۔

﴿وأما الجدار فكان لغلامين يتيمين في المدينة وكان تحته كنز لهما وكان أبوهما صالحا فأراد ربك أن يبلغا أشدهما ويستخرجا كنزهما رحمة من ربك وما فعلته عن أمري ذلك تأويل ما لم تسطع عليه صبرا ۞﴾ [الكهف: ۸۲] ''اور وہ دیوار جسے میں نے درست کیا' دو یتیموں کا تھا اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا اور ان کا باپ نیکوکار تھا، پس تیرے رب نے چاہا کہ اس کی حفاظت کی جائے' تاکہ یہ دونوں جوان ہو کر اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی جن (کے منفی پہلو کو دیکھ کر) آپ صبر نہ کر سکے۔'' ☆

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ کو یہ بات بالکل گوارا نہیں کہ اس کا بندہ اس کی عطا کردہ کسی بھی نعمت مثلاً علم یا مال پر غرور اور تکبر کرے۔ بلکہ انسان کے پاس جتنی زیادہ نعمتیں ہوں' اسی قدر زیادہ عاجزی اور کسر نفسی کی صفات سے مزین ہونا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆

☆ اس سے نیکی و پرہیزگاری کے دنیاوی فوائد پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے ساتھ شفقت فرماتے ہوئے انہیں ایمان پر استقامت کی توفیق دینے کے لیے اپنے خاص فضل و کرم سے انسانی وہم و گمان سے بڑھ کر وسائل بھی پیدا فرماتے ہیں۔ ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجا ۞﴾ اس واقعے میں والدین کے تقویٰ کی برکت سے ان کی بری اولاد کو موت سے ہمکنار کر کے نیک اولاد عطا فرمانے کا فیصلہ فرمایا۔

☆ اس واقعے سے بھی تقویٰ کا ایک دنیاوی فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ والدین کے تقویٰ کی بدولت رب ذوالجلال ان کی غیر موجودگی میں ان کے مالِ حلال کی حفاظت کا خاص اہتمام فرماتے ہیں۔

اضافی فوائد

اس ''برحق قرآنی قصے'' سے کیے گئے ''باطل استدلال'' کی تردید

اہل بدعت کے باطل نظریات کی تردید سے متعلق راقم کے ایک خطبے کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

فائدہ: تمام مخلوق جو کچھ اچھا یا برا کام کر چکے ہیں، کر رہے ہیں یا کریں گے ان تمام کا مکمل تفصیلی علم اللہ پاک کے پاس ہے۔ اور اسی علم الٰہی کو کائناتِ عالم کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ رکھا ہے، اسی تحریر کا نام ''تقدیر'' ہے۔ عقیدہ تقدیر کے مطابق ہر کام اس ذات کی مشیت قدری کے مطابق انجام پاتے ہیں۔ لیکن متقی بندے کو ادب کا پاس کرتے ہوئے اپنی دانست کے تحت ناپسندیدہ امور کو رب ذوالجلال کی جانب منسوب کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ جس طرح حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے فرمایا: ﴿الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝﴾ [الشعراء:۷۸-۸۰] ''اللہ وہی ذات ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا، پس وہی مجھے ہدایت سے نوازتا ہے۔ اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔'' یہاں پیدائش، ہدایت، کھلانے، پلانے اور شفا دینے کو اللہ پاک کی طرف منسوب فرمایا اور بیماری کو اپنی ذات کی طرف۔ اگرچہ ان کا عقیدہ یہی ہے کہ بیماری بھی اللہ پاک کی مشیت سے آتی ہے۔

اسی طرح اس قصے میں بھی ذات الٰہی کے ساتھ ادب کی تعلیم ہے کہ جن چیزوں کا ظاہری پہلو ناگوار تھا، خضر علیہ السلام نے انہیں اپنی ذات کی طرف منسوب کیا: ﴿فأردت أن أعیبها ...، فأردنا أن یبدلهما ...﴾ اور جس کام کا ظاہری پہلو بھی خوشگوار تھا اس کی نسبت اصل حکم فرمانے والے اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی: ﴿فأراد ربک أن یبلغا أشدهما ویستخرجا کنزهما﴾

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعے سے اہل بدعت درج ذیل استدلال کرتے ہیں:

{1} ولی کا درجہ نبی سے بلند تر ہوتا ہے۔ (یعنی ہر نبی کا ولی ہونا ضروری نہیں) {2} ''شریعت'' ادنیٰ درجے کے لوگوں کے لیے ہے۔ ''حقیقت'' اعلیٰ درجہ والوں کے لیے ہے۔ {3} ادنیٰ درجہ والوں کے لیے جائز نہیں کہ اعلیٰ درجہ والوں کے کسی منکر پر انہیں نصیحت کریں۔ {4} ولی اور نبی غیب کا علم رکھتے ہیں۔'' یہ سارے نظریات اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب وحکمت، دین اسلام کے بالکل خلاف ہونے کی وجہ سے انتہائی باطل اور مردود ہیں۔ تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا

{1} نبیوں کا درجہ تمام لوگوں میں بلند ترین ہوتا ہے۔

تمام اولیاء کرام میں سے اللہ کے انبیاء کرام بلند تر مرتبے کے ولی اللہ ہوتے ہیں۔ پھر اولوالعزم رسولوں کو ان سے بھی اعلیٰ تر درجے میں اللہ پاک کی ولایت نصیب ہوتی ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام انہی میں شامل ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من کلم الله ورفع بعضهم درجات﴾ [البقرة:۲۵۳] ''یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں

سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ ان میں بعض (ایسا بلند مرتبہ والا ہے، جس) سے اللہ تعالیٰ نے (بلاواسطہ) کلام فرمایا۔ اور بعض کے درجات بہت بلند فرمائے ......'' اس آیت کریمہ میں کلام الٰہی کے شرف کا ذکر بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔ آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ساری مخلوق میں سے افضل ترین ہستیاں رسول ہیں۔

خضر علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، اور بہت سے علماء ﴿ وما فعلته عن امری ﴾ [الکہف: ۸۲] کی روشنی میں انہیں نبی شمار کرتے ہیں۔ اللہ کا نبی تسلیم کیے جانے کی صورت میں بھی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ان سے بلا شک وشبہ افضل وبرتر ہیں۔ جبھی تو اللہ پاک نے اس موقع پر بطور تنبیہ ان کے پاس علم حاصل کرنے بھیجا۔

{2} امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم عام ہے۔

تمام مؤمن ومتقی اپنی اپنی توفیق واستطاعت کے مطابق اللہ کے ولی ہوتے ہیں، بلکہ قرآنی الفاظ میں ''اللہ پاک ہر مؤمن ومتقی کا ولی ہوتا ہے۔'' ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞﴾ [آل عمران ۶۸]، ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۞﴾ [الجاثیة ۱۹]، ﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۞﴾ بلکہ اہل تقویٰ کے علاوہ اللہ کا کوئی ولی ہوتا ہی نہیں: ﴿إِنْ اَوْلِيَآؤُهٗ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ [الأنفال ۳۴]

پھر ولایت کے تقاضوں: ایمان، تقویٰ اور صلاح میں سارے مسلمان برابر نہیں۔ لہٰذا کسی بھی شخص سے اللہ پاک کی ولایت کے خلاف کوئی بھی حرکت دیکھے، اسے اس منکر سے روکنا ہر مسلمان کی شرعی ذمہ داری ہے۔ فرمانِ نبوی ہے: ''من رأى منكم منكرا فليغيّرهُ بيدهِ فإن لم يستطعْ فبلسانهِ فإن لم يستطعْ فبقلبهِ وذلك أضعفُ الإيمان'' [مسلم] ''تم میں سے جو بھی برائی دیکھ لے اُسے اپنی قوت بازو سے روکنا پڑے گا، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بتانے پر اکتفا کرلے، اور اگر اتنی سکت بھی نہ ہو تو صرف دل ہی دل میں اس کی ملامت پر گزارہ کرے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' پھر یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور اس میں کوئی درجہ بندی یا استثنا نہیں ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رسالت کا عمومی تقاضا پورا فرمایا، حالانکہ آپ کی اصل ذمہ داری صرف بنی اسرائیل کی رہنمائی تھی۔ جبکہ خضر علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے، لہٰذا ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت بھی فرض نہیں تھی۔

نیز ان کو اللہ پاک کی طرف سے الگ نوعیت کا علم دیے جانے کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چاہیے تھا کہ ان کا یہ وعدہ مدنظر رکھتے: ﴿ حَتّٰى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۞﴾ [الکہف: ۷۰] اس کا تقاضا صرف یہ تھا کہ انہیں اپنے اقدامات کی وضاحت کا موقع دیتے ہوئے مزید انتظار کرلیتے۔ اس وضاحت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تبصرے کا حق محفوظ تھا۔ یہ ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' بالکل نہ کرنے کا تقاضا ہرگز نہیں کرتا۔

پھر دیکھیے اس قصے میں خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا، وہ اپنے مقاصد وانجام سے بھی بڑھ کر حکم الٰہی کے تحت صادر ہونے کی وجہ سے شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ اللہ پاک کا حکم جس چیز سے متعلق ہو اُسی میں رضائے الٰہی ہوتی ہے اور یہی دین ہے، یہی شریعت ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو اللہ پاک نے اپنے پیارے لخت جگر کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس کی تعمیل پر راضی ہوکر اللہ نے انہیں تمام

انسانوں کا امام وقائد بنایا۔اس حقیقت کو مدنظر رکھ کر خضر علیہ السلام کے قصے پر غور کریں:

[۱] **کشتی توڑنے کا اقدام:** یہ خود اس کے مالکان کی نظر میں بھی قابل قبول تھا۔نیز خضر علیہ السلام بھی ان کی معروف شخصیت تھے۔ان کی اس کارروائی سے وہ ان کا مقصد فوراً سمجھ گئے۔جبھی تو انہوں نے اس اقدام پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ورنہ کون ہے جو بلا کرایہ سفر کرنے والے مسافر کو اپنی کشتی توڑتے دیکھ کر خاموش تماشائی بنا رہے؟!

[۲] **قتل کا واقعہ:** واقعی جرم سرزد ہونے سے قبل سزا دینا جائز نہیں۔لیکن اللہ پاک اپنے مکمل علم کی بنا پر اگر کسی کو ایک خاص حکمت کے تحت اقدام جرم سے قبل سزا بھی دلاتا ہے تو اسی کی مرضی ہے۔﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ﴾ [الانبیاء:۲۳] ''وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔'' اللہ پاک بھی اتمام حجت کے بغیر سزا نہیں دیا کرتے۔اگر کبھی ایسا کیا بھی ہے تو ارحم الراحمین اپنے بندوں کی پریشانی دور کرنے کے لیے اس کی حکمت بھی بیان فرماتے ہیں۔جیسا کہ اس واقعے میں بیان فرمایا گیا کہ اس قتل کے پس پردہ اس نالائق بیٹے کے پرہیزگار والدین کے حق میں اللہ پاک کی خیر خواہی تھی۔

[۳] **دیوار کی بلا معاوضہ مرمت:** شریعت کے خلاف ہونا تو درکنار یہ کسی بھی لحاظ سے قابل اعتراض نہیں ہے۔

{3} ''شریعت'' اور ''طریقت'' کی حقیقت:

''اسلام'' حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین ﷺ تک کی امتوں یعنی ہر دور کے اطاعت گزار بندوں کا دین ہے۔جبکہ ہر زمانے کے پیغمبر کو اللہ پاک نے عبادات ومعاملات سے متعلق جو کچھ ہدایات عطا فرمائی ہیں، وہ ہر دور کی ''شریعت'' ہے۔رب تعالیٰ نے ہمارے پیارے رسول ﷺ کو بلا استثناء روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں بلکہ جنوں کی طرف بھی آخری پیغمبر اور واحد واجب الاطاعت ہستی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔اسی رسول ﷺ کی سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا ہی اسلام اور شریعت کی پابندی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ [الاعراف:۱۵۸] ''(اے محمد ﷺ) اعلان فرمائیے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ پاک کا فرستادہ رسول ہوں۔'' اور فرمایا:﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾[آل عمران:۸۵] ''اور جو بھی اسلام کے علاوہ کوئی دین تلاش کرے تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ بدبخت قیامت میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہوگا۔''

لہٰذا بعثت نبوی سے لے کر قیامت برپا ہونے تک کسی بھی دوسرے شخص کو پیغمبر معصوم اور واجب الاطاعت تصور کرنا عقیدہ ختم نبوت کے منافی اور صریح ''کفر'' ہے۔اس قسم کا باطل عقیدہ رکھنے والوں کے پلید عقائد میں یہ کذب وافترا بھی شامل ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے امت میں سے بعض مخصوص افراد کو خفیہ طور پر شریعت کے خلاف کوئی اور تعلیم بھی دی تھی۔حالانکہ اللہ پاک نے تبلیغ رسالت کو بالکل عام کرنے اور اللہ کے تمام احکام بلاکم وکاست سب کو پہنچانے کا حکم دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ رسالت کی گرانقدر ذمہ داری کی ادائیگی کو کالعدم کر دینے کا انتہائی دھمکی آمیز اسلوب اختیار فرمایا ہے۔یہ اس لیے ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ اس رسول ﷺ سے ایسی کسی کوتاہی کا اندیشہ یا

امکان تھا، بلکہ صرف اس لیے کہ بعد میں کسی باطل پرست کے لیے ایسا بہتان باندھنے کی ذرا بھی گنجائش نہ رہے۔﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾[المائدة:٦٧] ''اے رسول ﷺ! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے پروردگار نے نازل فرمائی ہے اسے آگے پہنچا دیجیے۔ اگر آپ ایسا نہ کریں تو آپ نے اللہ کی رسالت بالکل پہنچائی ہی نہیں۔ اور اللہ (رکاوٹ بننے والے) لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت سے نہیں نوازتا۔''

عقیدۂ ختم نبوت کی روشنی میں اس قسم کے خرافیانہ اوہام کی بیخ کنی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے وحی کے ذریعے خضر علیہ السلام کو بعض معاملات میں مخصوص علم دینے کی خبر عطا فرمائی۔ اُس دور میں بنی اسرائیل کے علاوہ بھی یقیناً بہت سے اقوام موجود تھے اور شریعت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور بھی شریعت ہو سکتی تھی۔ آج اگر کوئی ناعاقبت اندیش سرپھرا اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے تو مذکورہ بالا قطعی دلائل کی رو سے اس کا بطلان بالکل واضح ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا:﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾[المائدة:٣] ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری فرما دی اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین کے پسند فرمایا'' اس اعلانِ الٰہی کے بعد آسمان سے زمین تک وحی کا سلسلہ بالکل کاٹ ڈالا۔ اب کسی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الگ کوئی حکم ملنے کا ہرگز امکان نہیں۔ لہٰذا ''طریقت'' یا اس مفہوم میں شریعت محمدیہ سے مختلف کسی بھی طریقہ زندگی کے برحق، بہتر یا جائز ہونے کا ہرگز کوئی امکان نہیں۔

{4} انبیائے کرام واولیائے عظام کی غیب دانی

یہ دعویٰ بھی نہ صرف قرآن وسنت کے صریح نصوص بلکہ تاریخ وسیرت کی رو سے بھی باطل اور انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ دیکھیے! اسی قرآنی قصے میں متعدد اشیاء ایسی ہیں، جن کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے کچھ بھی علم نہ تھا۔ اور یہی چیز ان کے لیے تلاشِ خضر میں مشکلات کا سبب اور رفاقتِ خضر علیہ السلام سے رکاوٹ بنی۔

باقی رہا خضر علیہ السلام، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک چڑیا نے کشتی کے کنارے سے دریا کا پانی پیا۔ اس پر خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ''ہم دونوں کا علم ملا کر بھی رب العالمین کے علم کے مقابلے میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتا، جتنی دریا کے مقابلے میں اس چڑیا کی چونچ میں آنے والے پانی کی نسبت ہے۔'' ہاں انہیں اللہ نے جو علم بخشا، وہ عطائی علم ''علم غیب'' ہرگز نہیں کہلا سکتا۔

فائدہ: آبِ حیات اور حیاتِ خضر علیہ السلام

سفیانؒ کہتے ہیں: ''یزعم ناس أن تلك الصخرة عندها "عين الحياة" ولا يصيب ماؤها ميتاً إلا عاش ......'' [الترمذیؒ التفسیر سورة الکهف ٥/٢٩٠] ''کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ جہاں خضر علیہ السلام پائے گئے وہاں آبِ حیات کا چشمہ ہے، اس کا پانی کسی مردے پر لگے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ اور اس مچھلی کا کچھ حصہ کھایا جا چکا تھا، اسی چشمے کا پانی لگا تو زندہ ہو کر دریا میں کود پڑی۔''